انبیاء کی بعثت کا ہدف

ثاقب اکبر *

چونکہ آج مغربی معاشرے میں عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسان نے خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا نبوت کی ضرورت کے سلسلے میں ایک بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا دنیاوی اور مادی زندگی کے لحاظ سے؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور دین کا تعلق ہماری زندگی کے انفرادی اور اجتماعی، دونوں پہلوؤں سے ہے۔

ہمیں یہ امر بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اور انسان اپنے فطری راستے پر چلتا رہے تو پوری انسانیت ایک امت بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کچھ لوگ فطرت کا راستہ ترک کر دیں تو انسانی معاشروں میں اختلافات جنم لیتے ہیں۔ انبیاء کی بعثت کا ایک اہم ہدف، ان اختلافات کا خاتمہ ہے اور امتِ واحدہ کی تشکیل ہے۔ گویا انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کو پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔

رسول اکرمؐ کی بعثت کا ایک اہم فائدہ انسانیت کو یہ حاصل ہوا کہ بنی نوع بشر قتل و فساد اور جنگ وجدل سے بچ کر آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی تشکیل ہوئی۔ انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اور اہم ہدف لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینا تھا۔ درحقیقت، اللہ تعالیٰ کی بندگی ہی انسانوں کی وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بنی نوع انسان کو آخرت کے عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا بھی انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش بھی انبیاء کی جدوجہد کا حصہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انبیاء نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔

نبوت ایک اصلِ دین

اصول کی بحث یا عنوان خود ہمارا پیدا کردہ ہے قرآن یا کسی مستند حدیث میں یوں نہیں آیا کہ اصول دین اتنے ہیں البتہ جن امور پر بنیادی طور پر ایمان لانا ضروری ہے وہ اصول دین ہیں۔ بعض امور ضمنی طور پر آجاتے ہیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے لیکن وہ ضمنی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت کا موضوع اصول دین میں سے ہے لیکن ختم نبوت کا موضوع اس کے ضمن میں آتا ہے اسی طرح سے وحی کا موضوع بھی نبوت کے موضوع کے ضمن میں زیر بحث آتا ہے۔

دین کی بحث کو آسانی کے لیے ہم اصول اور فروع میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصول دین کا تعلق عقائد و معارف سے ہے اور فروع دین کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ ان میں سے گویا ایک کا تعلق ایمانیات سے ہے اور دوسرے کا عملیات سے ہے۔ نبوت کا تعلق بھی عقائد سے ہے جسے ہم ایک لحاظ سے دو پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک نبوت عامہ اور دوسری نبوت خاصہ۔

نبوت عامہ

نبوت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ بعض افراد خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں، احکام اس سے لیتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ باقاعدہ خدا کی طرف سے نبوت کے منصب پر اپنی ماموریت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح سے اپنی نبوت کا اثبات بھی خود نبی کے ذمے ہے۔

---

*۔ صدر نشین، البصیرہ ٹرسٹ، اسلام آباد

نبوت خاصہ

اس عنوان کے تحت ہم مختلف انبیاء کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں یا مختلف انبیاء کے حوالے سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔یعنی حضرت عیسیٰ نبی تھے، موسیٰ نبی تھے حضرت محمد مصطفیٰ نبی ہیں تو ان کی نبوتوں کا ثبوت کیا ہے۔یعنی نبوت خاصہ کی بحث کا تعلق ان افراد سے براہ راست ہے جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

"نبی "کا مفہوم

لفظ نبی نباء سے نکلا ہے اور نبا کا معنی ہے خاص خبر یا عظیم خبر۔عربی میں خبر کا لفظ بھی اطلاع کے معنی میں آتا ہے لیکن نبی کو ہم مخبر یعنی خبر لانے والا نہیں کہتے۔نباء کے حوالے سے نبیؑ کہتے ہیں یعنی بڑی خبر لانے والا۔قرآن میں بھی نباء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔سورہ نباء یہاں سے شروع ہوتی ہے:

" عَمَّ يَتَسَاءَلُونَOعَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ " (1)

یعنی:" یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ایک بڑی خبر کے بارے میں۔"

نبی کی ضرورت اور اجتماعی پہلو

اس سلسلے میں بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا نبی کی ضرورت آخرت کے لحاظ سے ہے یا ہماری دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے بھی نبی کی ضرورت ہے اور ہماری اجتماعیت کے ساتھ نبوت کا کیا رشتہ اور تعلق ہے یا نبوت کا تعلق فقط بعد از موت زندگی سے ہے۔مغربی معاشرے میں ایک عرصے سے عملی طور پر یہ نظریہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے فیصلے انسانوں کو اجتماعی طور پر خود کرنے ہیں اور اس کے لیے کسی نبی کی تعلیمات یا اس کی کتاب کو اساس کار کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔اسی کو وہ حکومتوں اور ریاستوں کا سیکولر ہونا قرار دیتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کے پاس عقل ہے،وہ عقل سے کام لے کر اپنی زندگی بہتر گزار سکتا ہے لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ چونکہ دین اسلام براہ راست ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے قوانین دیتا ہے اور عقل بھی ان قوانین کو درست سمجھتی ہے اور وہ بہتر نتائج کے بھی حامل ہیں تو پھر دین کا تعلق ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی سے ثابت ہوتا ہے۔جب ہم دین کا تعلق سوسائٹی یا معاشرے سے ثابت کر دیں گے تو پھر یہ سوال نہیں رہے گا کہ دین ہماری زندگی کی ضرورت ہے یا نہیں۔وجہ بعثت انبیاء پر گفتگو کرتے ہوئے ہم آئندہ دلائل سے ثابت کریں گے کہ خود قرآن حکیم نے بعثت انبیاء کے اجتماعی مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

امت واحدہ کی تشکیل

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بعثتِ انبیاء کا سبب بیان کیا گیا ہے۔سورہ مبارکہ بقرہ کی یہ آیت اس حوالے سے بہت جامع اور واضح شمار کی جاتی ہے!

" كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ " (2)

یعنی:" سب لوگ ایک امت تھے۔پس اللہ نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور ساتھ ان کے برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے مابین ان امور میں فیصلہ کر دے جس میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے اور انہی نے اس میں اختلاف کیا جنھیں یہ (کتاب) دی گئی تھی جبکہ اس کے پاس بین و واضح احکام و دلائل آچکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے باہمی رسہ کشی اور شرارت کی بنیاد پر کیا تھا۔پس اللہ نے ایمان لانے والوں کو وہ راہ حق دکھا دی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

اس آیۂ مجیدہ سے مندرجہ ذیل بنیادی باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں:

1) تمام انسان ایک امت تھے، اکٹھے تھے، متحد تھے۔

2) جب انسانوں میں اختلاف پیدا ہوا تو اُن میں نبی مبعوث ہوئے تاکہ اللہ نے انھیں جو زندگی کے قوانین واصول دیے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں کے مابین سے اختلاف رفع کر دیں اور انھیں پھر "امة واحدة" بنا دیں۔

3) ایک گروہ اختلاف کے راستے پر کاربند رہا جبکہ اس پر حجت تمام ہو گئی، روشن دلائل آچکے اور حق و باطل میں تمیز واضح ہو گئی۔

4) ایک گروہ نے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور وہ "مومن" قرار پائے اور وہی سیدھے راستے پر گردانے گئے۔

انسان کے امت واحدہ کے ہونے کے حوالے سے یہ امر مد نظر رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سب انسانوں کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے اس لئے اگر ان کی فطرت کسی خارجی رنگ یا گرد وغبار یا زنگ سے محفوظ رہے تو یکساں رہتی ہے اور وہ "امت واحدہ" بن کر رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ فطرت اللہ کی فطرت سے ہم رنگ ہے بلکہ بہتر لفظوں میں انسان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہٰذا انسان اپنے فطری راستے پر چلتا رہے تو یہی اللہ کا راستہ ہے، یہی دین الٰہی ہے اور یہی صراط محکم و مستقیم ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

" فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ " (3)

یعنی: " اپنا رُخ محکم و مستقیم دین کی طرف کیے رکھ۔ اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ کی خلقت اور بناوٹ تبدیل نہیں ہوتی۔ یہی مضبوط دین ہے۔"

انبیاء کا اختلاف ختم کرنے کیلئے آنا گویا انسانوں کو فطرت کے راستے کی طرف واپس لانے کیلئے ہے۔ جس کے نتیجے میں وہی امت واحدہ پھر سے معرض وجود میں آجائے۔ اس مقصد کے لئے انبیاء تبشیر وانذار کا اسلوب اختیار کرتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء نفس بشر کی اصلاح کیلئے مامور ہوئے تھے۔ وہی نفس جو آزادیٔ ارادہ واختیار کے استعمال سوء کے نتیجے میں راہ فساد اختیار کر لیتا ہے۔ انبیاء آئے تاکہ انسانی نفس کو راہ اصلاح پر کاربند رہنے کی مشق کروائیں، یہاں تک کہ بھلائی کا اختیار کرنا اس کے اندر ملکہ کی شکل اختیار کر لے۔ آخری رسول کی بعثت کی دعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اسی مقصد کے لئے مانگ رہے تھے:

" رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ " (4)

ترجمہ: " اے ہمارے رب! ان میں ایک ایسا رسول بھیج، جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک و پاکیزہ کرے۔"

بعثت انبیاء کا مقصد بزبان امیر المومنینؑ

حضرت امیر المومنین علیؑ نہج البلاغہ کے اپنے پہلے خطبے میں بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

" فبعث فيهم رسله واتر اليهم انبيائه ،ليستادوهم ميثاق فطرته و يذكروهم منسى نعمته ويحتجوا عليهم بالتبليغ ويثير واليهم دفائن العقول ويروهم الايات المقدرة" (5)

یعنی: "اللہ نے بنی آدم میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کروائیں، اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انھیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔"

قبل ازیں مذکورہ آیات کو سامنے رکھ کر جناب امیرؑ کے اس فرمان کو دیکھا جائے تو یہ انہی آیات کی تفسیر معلوم ہوتا ہے۔اس میں صراحت سے فرما دیا گیا ہے کہ انبیاء کا مقصد بعثت انسان کو اس کا بھولا ہوا پیمان فطرت یاد دلانا ہے۔ عقل کے دفینوں کو ابھارنے کی تعبیر یہاں بہت معنی خیز ہے۔اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت عقلی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔دوسرا پہلو یہ ہے کہ انبیاء کی دعوت ایسی ہوتی ہے کہ جو انسانی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار ہوتی ہے اور پھر یہ انسانی فطرت و عقل کی گہرائیوں سے ہی ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بعید نہیں کہ آیت میں تعلیم حکمت اس مفہوم کی حامل ہو۔

اس خطبے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیمان فطرت کی فراموشی انسانوں میں خرابی اور فساد کا باعث بنتی ہے۔رسول اسلامؐ کی بعثت کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب امیرؑ نہج البلاغہ ہی میں اپنے ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

"ارسلہ علی حین فترۃ من الرسل وطول ھجعۃ من الامم واعتزام من الفتن و انتشار من الامور وتلظ من الحروب و الدنیا کا سفۃ النور ظاھرۃ الغرور علی حین اصفراء من و رقعھا وایاس من ثمرھا اغورار من مائھا قد درست منار الھدی۔۔" (6)

یعنی: " اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں۔فتنے سر اٹھا رہے تھے۔سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔اس وقت اس کے پتوں پر زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے ناامیدی تھی۔پانی زمین میں تہ نشین ہو چکا تھا۔ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے۔۔۔"

یہ سب عبارت درحقیقت "مَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ" کی خوبصورت اور دلنشین تفسیر ہے۔قرآن حکیم نے اس اختلاف کی موجودگی اور پھر بعثت رسول اکرمؐ کی برکت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

" ذۡکُرُواۡ نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا" (7)

یعنی: " اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے الفت پیدا کر دی پس تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بن گئے اور تم گویا آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے کہ خدا نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اکرمؐ کی بعثت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قتل و فساد اور جنگ وجدل میں مبتلا متفرق انسان آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور امت واحدہ کی شکل میں بدل گئے۔رسول اکرمؐ کا ایک مشہور فرمان بعثت کے مقصد کی طرف ہماری رہنمائی ان الفاظ میں کرتا ہے:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (8)

یعنی: " میں اچھے اور بھلے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

اگر ہم اخلاق کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھیں کہ یہ انسانوں کے باہمی روابط و تعلقات کی نوعیت سے بھی عبارت ہے تو واضح ہوتا ہے کہ انسانوں کے باہمی روابط کو نیکی اور بھلائی کی بنیادوں پر استوار کرنا بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد ہے۔قرآن و حدیث سے وجہ بعثت کے اس اجمالی بیان کے بعد ہم زیر بحث موضوع کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(1) لوگوں کو عبادت کی دعوت دینے کیلئے

کیا انبیاء کرام لوگوں کو اللہ کی عبادت اور بندگی کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث ہوئے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ در حقیقت اللہ کی بندگی ہی انسانوں میں توحید و وحدت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اختلاف عبادت الٰہی یا تقاضائے عبادت الٰہی سے انحراف ہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آتا ہے۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (9)

یعنی: "میں نے جن و انس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے۔"

جب تخلیق جن و بشر کا مقصد ہی عبادت ٹھہرا تو پھر انبیاء کی دعوت سوئے عبادت حق تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔ در حقیقت یہی فطرت انسانی کے میثاق کے ایفا کی دعوت ہے۔ انسانی معاشرے کی تمام کجرویاں اسی دعوت سے انحراف کے نتیجے میں ہوتی ہیں۔ اگر سب کا ہدف خدا ہو جائے تو نوع انسانی میں سے ہدف کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ ساری جنگیں تو اہداف و مقاصد کے اختلاف ہی سے جنم لیتی ہیں۔ اگر انسان سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ سب کا معبود بھی ہے اور خالق و مالک بھی تو پھر ایک بندے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو بھی اس نظر سے دیکھے کہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اگر انسان میں یہ نظر پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنے آقا و مالک کے کسی بندے کے ساتھ کیونکر ظلم کر سکتا ہے۔

سب گویا ایک دوسرے کی کمک کرکے اپنے معبود کی عبادت ہی انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ پھر دعوت الٰہی میں انسان کی باہمی رقابت بہت دل خوش کن منظر میں بدل جاتی ہے۔ بقول غالب:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں (10)

(2) فلاحی کام کرنے کے لیے:

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر الٰہی دعوت کے بعد "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" فرمایا گیا ہے۔ احکام اسلامی میں نماز کا مقام و درجہ سب سے بلند ہے۔ اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے موذن پکارتا ہے: "حی علی الفلاح"

دراصل فلاح کا تصور کہ جو نرا مادی ہے اور فلاح کا تصور کہ جو دارین پر حاوی ہے، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آخرت سے بے نیاز ہو کر، جہانِ دیگر سے انقطاع کے بعد فلاح کا تصور مکتب انبیاء میں سرے سے عنقا ہے۔ فلاح کے جامع تصور کے حوالے سے اگر پوچھا جائے کہ انبیاء ہماری فلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے تو اس سوال کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ رہے سماجی حوالے سے فلاحی کام تو یہ کلی توحیدی معاشرے کا ایک مثبت پہلو ہے۔

تاہم مکتب انبیاء سے وابستہ انسان کا اس حوالے سے جذبۂ محرکہ مکتب انبیاء سے دور انسان کے جذبۂ محرکہ سے مختلف ہی نہیں ہوتا بلکہ آخر کار نتیجہ بھی بہت مختلف نکلتا ہے۔ سماجی بھلائی کے کام انبیاء کے ساختہ وپرداختہ انسان کے وجود سے خود بخود مترشح ہوتے ہیں لہٰذا انھیں انبیاء کی تحریک انسان سازی کا ایک نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بلاواسطہ انبیاء کا کام فطرت انسانی کو صالح رکھنا ہے، یہ مقصد حاصل ہو جائے تو معاشرہ بہر حال صالح اور فلاح یافتہ ہو جاتا ہے۔

(3) دنیا سے دور رکھنے کیلئے:

دنیا کے دو تصور ہیں، ایک دنیا جو آخرت سے بے نیاز ہو کر یا لاتعلق ہو کر حاصل ہو، انبیاء کے مکتب میں ایسی دنیا سے دوری ہی کی دعوت دی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو شخص صرف یہ کہتا ہے:

" فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" (11)

یعنی: " انسانوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں عطا کر، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

ایسی ہی دنیا کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"حب الدنیا راس کل خطیة" (12)

یعنی: " دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو پسند فرماتا ہے جو کہتے ہیں:

" رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (13)

یعنی: " پروردگار! ہماری دنیا بھی اچھی کر اور آخرت بھی اچھی کر اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

جو انسان اس دنیا کو اپنی نجات اخروی کا زینہ بناتا ہے وہ انبیاء کے مکتب کا صحیح شاگرد ہے، اس لئے کہ اس مکتب کی تعلیم یہ ہے:

"الدنیا مزرعة الآخرة" (14)

یعنی: "دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

دوسری طرف اسلام نے دنیا سے قطع تعلق کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ مشہور ہے:

"لا رهبانیة فی الاسلام" (15)

قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

" لَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔۔۔" (16)

یعنی: "اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔"

لہٰذا انبیاء ایسی دنیا سے دور رہنے کا پیغام تو دیتے ہیں جو آخرت کی نفی پر استوار ہو اور انسان کو آخرت سے غافل کردے جبکہ اس دنیا کو آخرت کیلئے کھیتی بنا کر استفادے کے حامی ہیں۔ انسانی معاشروں میں اختلاف ایسی دنیا پرستی کی بنا پر ہی پیدا ہوتا ہے جو آخرت سے دوری کا باعث ہوتی ہے۔ انسانی فطرت انسانی بقا کی خواہشمند ہے جبکہ اس دنیا کی زندگی فانی ہے لہٰذا فانی زندگی کی طلب فطرت انسانی کے تقاضوں کی پامالی سے عبارت ہے اور یہ امر سراسر وجہ بعثت انبیاء سے متصادم ہے۔

(4) سیاست سے دور رکھنے کے لئے

سطور بالا میں دنیا کے بارے میں اسلامی تصور سے اس سوال کا جواب واضح ہوگیا ہے۔ سیاست اگر انسانوں کو باہم جوڑنے، انھیں امت واحدہ بنانے، عدل اجتماعی کے قیام سے عبارت ہے تو یہی انبیاء کی تعلیمات کا تقاضا ہے لیکن سیاست کا مقصد اگر اس کے برخلاف ہے تو پھر انبیاء کے راستے کے برخلاف ہے۔

(5) آخرت میں چھٹکارا دلانے کیلئے:

ابھی ہم نے قرآن حکیم کی ایک آیت نقل کی جس کے آخر میں ہے:

"وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

یعنی: " پروردگار! ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

" قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا " (17)

یعنی: " اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچائیں۔"

گویا آخرت میں عذاب جہنم سے بچنے کی دعوت دینا انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد ہے۔ تاہم انبیاء کی دعوت اس سے وسیع تر، عظیم تر، عمیق تر اور جامع تر ہے۔ انبیاء کا تربیت یافتہ انسان بہر حال آخرت میں بھی نجات یافتہ قرار پاتا ہے۔ ویسے جنت ہو یا جہنم، اپنے تمام تر درجات کے ساتھ انسان کے اچھے یا برے اعمال کے اُخروی تشکل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(6) دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو مخاطب کرکے فرمایا:

" يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ---" (18)

یعنی: " اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا ہے پس انسانوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر۔"

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

" اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ " (19)

یعنی: "عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے نزدیک ترین ہے۔"

ایسی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل کی حکمرانی کے قیام کی تعلیم، دعوت بلکہ کوشش انبیاء کی جدوجہد اور پروگرام کا حصہ ہے۔ ہم نے شروع میں وجہ بعثت انبیاء کے حوالے سے سورہ بقرہ کی جو آیہ مجیدہ نقل کی تھی اس میں بھی فرمایا گیا ہے۔

"وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ---"

انبیاء کے ساتھ ہم نے برحق کتاب نازل کی تاکہ اس کے مطابق وہ لوگوں کے اختلافات دور کرسکیں اس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرسکیں۔ اب رہا یہ سوال کہ دنیا میں عدل وقسط کا قیام کس طریقے سے ہو تو یہ حالات اور شرائط زمان و مکان سے مربوط ہے۔ انبیاء کے اپنے ہاتھوں میں بھی حکومتیں رہی ہیں جیسے خود حضرت دائود اور حضرت سلیمان کی مثال ذکر کی جاسکتی ہے۔ وہ کسی کو بھی یہ منصب سونپ سکتے ہیں جیسے جناب طالوت کو ایک مرحلے پر قیادت سونپی گئی۔ حکمت عملی کے تحت کوئی اور صورت بھی ممکن ہے۔ دراصل خود حکومت کا قیام انبیاء کا بلاواسطہ مقصد نہیں ہوتا لیکن معاشرے پر عدل کی حکمرانی اور ظلم کا خاتمہ قانون عدل کی بالادستی کے بغیر متصور نہیں۔

نمونہ عمل کی ضرورت

جانوروں میں سے جو اجتماعی زندگی گزارتے ہیں ان کے کام جبلی طور پر ہوتے ہیں۔ خود اُن کا ارادہ ان کاموں میں کارفرما نہیں ہوتا۔ انسان چونکہ فاعل مختار ہے اس لیے اُسے اجتماعی زندگی کے امور خود اپنے ارادے سے انجام دینا ہوتے ہیں لیکن اسی کے بارے میں امکان ہے کہ وہ اپنے فریضے میں کوتاہی کرے گا یا اس کے برخلاف کام کرے گا۔ انسان اپنے انفرادی مفاد کی فکر میں رہتا ہے۔ لہٰذا اسے قانونی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے سدھارنے اور سدھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء انسانوں کے لیے اچھے معاشرتی قوانین اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات لے کر آتے ہیں اور خود ان قوانین پر عمل کرتے اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی زندگی دوسروں کے لیے ایک نمونہ عمل بھی بن

جاتی ہے۔ نمونہ عمل درحقیقت انسان کے اندر ایک جذبۂ عمل پیدا کرنے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ انبیاء اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کا عمل ان کی فکر اور تعلیم کی صداقت کی گواہی دیتا ہے۔
اس طرح سے وہ نافقط انسانی عقلوں کو اپیل کرتے ہیں بلکہ انسانی دلوں کو بھی انگیخت کرتے ہیں۔ انبیاء اپنی زبان سے ہی انذار و تبشیر کا کام نہیں کرتے بلکہ ایک صورت عمل بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کے دل پر ان کی باتیں اثر کرتی ہیں وہ دنیا سے بظاہر چلے بھی جاتے ہیں لیکن ان کا عمل انسانوں کے اندر بیداری اور حرکت کا پیغام بن کر زندہ رہتا ہے۔
سچ تو یہ ہے کہ انبیا نہ ہوتے تو انسان اور انسانیت ہی نہ ہوتی۔ آج بھی انبیاء کی جو وراثت انسانی تہذیب اور معاشرے میں باقی ہے وہ انسانی تربیت اور تکامل میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر انبیاء کی کتب اور تعلیمات انسانی معاشرے سے آج بھی نکل جائیں تو روح انسانیت فنا ہو جائے۔ انسان بالکل درندہ بن جائے اور ہر قوی کمزور کو کھا جائے۔ اپنا اجتماعی فریضہ جان کر بھی امکان ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔ نبی اجتماعی فریضے کی پہچان میں بھی مدد کرتا ہے اور انسان میں ایمان کی قوت پیدا کرکے اس پر عمل پر بھی ابھارتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ سورہ النباء: ۱، ۲
2۔ بقرہ: ۲۱۳
3۔ روم: ۳۰
4۔ بقرہ: ۱۲۹
5۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱
6۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۷، ۸۹
7۔ آل عمران: ۱۰۳
8۔ بیہقی (۴۵۸)، السنن الکبری، بیروت، لبنان، دارالفکر، ج ۱۰، ص ۱۹۲)
9۔ ذاریات: ۵۶
10۔ غالب، اسداللہ خان: دیوان غالب، تصحیح: حامد علی خان (لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، جنوری ۲۰۰۷) ص ۱۰۲
11۔ بقرہ۔ ۲۰۰
12۔ کلینی (۳۲۹) الکافی، تہران، ایران، دارالکتب الاسلامیۃ، طبع ۱۳۶۵ش، ج ۲، ص ۳۱۵
13۔ آل عمران: ۱۶
14۔ ری شہری، محمدی: میزان الحکمہ (تہران، مکتب الاعلام الاسلامی، اردی بہشت، ۱۳۶۷ھ ش) ج ۳، ص ۲۸۵
اس مقام پر جناب ری شہری نے اس مفہوم کی کئی ایک احادیث درج کی ہیں۔
15۔ کلینی، شیخ محمد بن یعقوب: الکافی (تہران، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵ھ ش) ج ۵، ص ۴۹۴
16۔ قصص: ۷۷
17۔ تحریم: ۶
18۔ ص: ۲۶
19۔ مائدہ۔ ۸